سُنّتِ رسُول

شیخ مصطفیٰ السباعی

(۳)

علمِ حدیث سے بحث کرنے والوں نے مذکورہ آثار سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کے نزدیک کسی حدیث کی قبولیت کی شرط یہ تھی کہ اس کے راوی دو یا دو سے زیادہ ہوں۔ اور حضرت علیؓ کا طریقہ یہ تھا کہ راوی سے حلف لیا جائے۔ یہ نظریہ مسلّمہ اصول کی حیثیت سے تاریخ تشریع اسلامی اور تاریخ علم حدیث کی اکثر و بیشتر کتابوں میں پایا جاتا ہے اس نظریہ کو جلیل اساتذہ نے "شروط الائمۃ للعمل بالحدیث" کے باب میں اس طرح ذکر کیا ہے گویا کہ حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ اور علیؓ کے نزدیک عمل بالحدیث کے لیے یہی شرط لازم تھی۔

لیکن امر واقع یہ ہے کہ ان آثار سے یہ نظریہ یا قاعدہ اخذ کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی علمی غلطی ہے جس کی دوسرے منقولہ آثار تردید کرتے ہیں اور اس امر کے شاہد ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ نے بکثرت ایسی احادیث کو تسلیم کیا ہے جن کا راوی صرف ایک ہے اور حضرت علیؓ نے حلف لیے بغیر احادیث کو قبول کیا ہے۔ اس باب میں چند روایات و آثار درج ذیل ہیں :-

۱۔ امام بخاری و مسلم ابن شہاب سے اور وہ عبداللہ بن عامر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عامر بن ربیعہ سے سنا کہ حضرت عمرؓ شام کو جاتے ہوئے جب "سرغ" کے مقام پر پہنچے تو انہیں یہ خبر ملی کہ شام میں ایک وبا پھیل چکی ہے۔ اس موقعہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بتایا کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے "تم وہاں مت جاؤ جس جگہ کے متعلق تم کو یہ معلوم ہو کہ وہاں وبا پھیل چکی ہے لیکن جب تم کسی ایسی جگہ مقیم ہو جہاں وبا پھیل رہی ہو تو پھر وہاں سے بھاگو بھی نہیں" حضرت عمرؓ نے جب یہ حدیث سنی تو "سرغ" سے واپس لوٹ آئے۔ ابن شہاب کہتے ہیں مجھے سالم بن عبداللہ نے بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ

اور ابو ذرؓ کے (اس اضطراب کے) علی الرغم جا پہنچے گا"۔

ذرا خیال رہے کہ اس موقع پر سائل حضرت ابو ذرؓ ہیں۔ دوسرے مواقع پر نبی صلعم کا یہی خطاب معاذؓ سے ہے، کہیں حضرت عمرؓ سے، اور گوناگوں اطوار کے ساتھ یہ مضمون سامنے آتا ہے، اور کثرت روایات بتاتی ہے کہ یہ تشویش کئی صحابہ میں رہی اور کچھ مدت تک رہی، اور بدقت ذہن صاف ہوئے۔ بہر حال یہ سائل ایسے لوگ تو نہ تھے جو حاکم بد ہن گناہ کے لیے چور دروازے کھلوانے کے درپے ہوئے ہوں، بلکہ گناہ سے بچنے میں اور گناہ سے نفرت کرنے میں پوری سوسائٹی میں پیش پیش تھے۔ ان کی نگاہ میں تو گناہ اتنی خطرناک چیز بن چلا تھا کہ اسے یہ ایمان کے قطعی منافی بلکہ اس کی جڑ کاٹ دینے والا سمجھتے تھے۔ ان کا معاملہ گناہ کے لیے دروازے کھلوانے کا نہیں تھا بلکہ (اس سلسلے کی جملہ روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ) انسان کی الجھن یہ تھی کہ جس آدمی سے کبیرہ کا ارتکاب ہوتا ہے تو یہ ارتکاب حالتِ ایمان کی نفی ہے۔ پھر ایسے آدمی کے لیے نجات کہاں!

اسی الجھن کو صاف کرنے کے لیے دوسری آیات میں نبی صلعم نے یہ توضیح فرمائی کہ یہ ٹھیک ہے کہ ایمان اور معصیت باہم منافات رکھتے ہیں، اور یہ واقعہ ہے کہ جب آدمی چوری کرتا ہے، زنا کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے تو اس کا ایمان اُس سے الگ ہو جاتا ہے لیکن گناہ کے غلبے سے نکلتے ہی اگر وہ پشیمان ہو کر اپنے آپ کو سنبھالتا ہے اور اپنی اصلاح کرتا ہے۔ تو حالتِ ایمان اس کی طرف لوٹ آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کمزوریوں کے نرغے میں آکر اگر کبھی پھسل جاتا ہے تو گناہ ہمیشہ کے لیے اُس پر چپک کر نہیں رہ جاتا، بشرطیکہ وہ اس کی گندگی کو اپنے آپ سے دُور کرنے کے لیے بے چین ہو۔

اب آئیے اور چند باتوں پر غور فرمائیے :۔

پہلی یہ کہ قرآن جب اپنا شارح ہونے کے لیے آپ کافی تھا، ہر لحاظ سے مفصل تھا، سادہ و فصیح زبان میں تھا اور حضرت معاذؓ، حضرت ابو ذرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے اکابر صحابہ اسے سنتے رہے، مسلسل سنتے رہے، اس پر غور و تدبر سے کام لیتے رہے، ایک نیتی کے ساتھ اس کے لفظ لفظ پر عمل کرنے کے لیے کوشاں رہے، تو کیوں ایسا ہوا کہ وہ اس طرح کے اشکال اور اس طرح کی تشویش میں مبتلا ہوئے؟

تو یہ واقعہ اسی طرح مذکور ہے، لیکن "الرسالہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو اس تحریر کا علم حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ہوا تھا اور انہوں نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلے سے رجوع کر لیا تھا۔

۷۔ فتح الملہم ہی میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسح خفین کا عمل بھی صرف سعد بن ابی وقاص کی روایت کی بنا پر شروع کیا تھا۔

۸۔ الاحکام لابن حزم میں مروی ہے کہ حضرت عمرؓ مجنونہ زانیہ پر حد جاری کرنے والے تھے کہ ان کو نبی اکرمؐ کا یہ فرمان معلوم ہوا کہ تین اشخاص (تکلیف شرعی کے لحاظ سے) مرفوع القلم ہیں (انہی میں سے ایک مجنون ہے)۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے رجم سے منع کر دیا۔

یہ مذکورہ بالا آثار ہر لحاظ سے صحیح ہیں جن کو ائمہ ثقات حدیث نے نقل کیا ہے۔ ان آثار سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے صرف ایک صحابی کی روائت کو بلا توقف و تردد قبول کیا ہے۔ اس قسم کی روایات ان روایات سے بہت زیادہ ہیں (اور صحت میں ان سے کم نہیں ہیں) جن میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک صحابی کی روایت کی صحت کے ثبوت میں کسی دوسرے راوی کو بطور شاہد طلب کیا ہے۔

اب جب یہ بات واضح ہو گئی کہ صحابۂ کرام اکثر منفرد راوی کی روایت کو قبول کر لیتے تھے تو پھر حضرت عمرؓ سے متعلق طلب شہادت والی اُن روایات کی تاویل کرنی پڑے گی جو ان کے اپنے اور دیگر صحابہ کے اکثر عمل کے خلاف پڑتی ہیں۔ ان روایات پر نظر ڈالنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسقاطِ حمل کے بارے میں مغیرہ بن شعبہ کی روائت حمل بن مالک سے بھی مروی ہے اور اس میں صاف طور پر یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس روایت کو بغیر شاہد کے بلا تامل قبول کر لیا تھا۔ اب صرف ابو موسیٰؓ کی سلام والی روائت باقی رہ جاتی ہے۔ اس روایت کو حضرت عمرؓ کی اپنی انفرادی محتاط اور محققانہ روش اور صحابہ کرام کو اس پر کاربند رہنے کی تلقین پر محمول کیا جائے گا۔ (ابو موسیٰؓ (اگر یہ مان لیا جائے کہ ان کی روایت کسی اور طریقے سے مروی نہیں ہے) اور مغیرہؓ بن شعبہ کے ساتھ اس طرز عمل کا مقصد حقیقت میں صحابہ کرام کو حدیث رسول کی صحت و تحقیق پر ابھارنا تھا۔ ایسے جلیل القدر صحابہ سے شہادت کا مطالبہ کر کے

حضرت عمرؓ دراصل جمہور مسلمین کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ دوسرے صحابہ و تابعین کے معاملے میں بھی روایت و قبولِ حدیث کے وقت تحقیقی روش کو ترک نہ کیا جائے۔ یہی بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰؓ سے کہا تھا " میں آپ کو متہم کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلعم کی حدیث کا معاملہ ہے " ایک روایت میں ہے کہ جب ابی بن کعب نے حضرت عمرؓ سے ان کے اس طرزِ عمل کی شکایت کی تو انہوں نے کہا کہ " میں تحقیق چاہتا ہوں " امام شافعی نے حضرت عمرؓ کے منفرد صحابی سے روایت قبول کرنے کی روایات کا ذکر کرنے کے بعد ان کے اس رویے کے متعلق لکھا ہے کہ " ابی موسیٰؓ کی روایت میں تو صرف احتیاط پیش نظر تھی۔ کیونکہ ان کے نزدیک ابوموسیٰ کے ثقہ ہونے میں شک نہیں تھا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ اس کی دلیل کیا ہے ؟ تو اس کا جواب انس بن مالک کی ربیعہ سے وہ روایت ہے جو ربیعہ نے متعدد علماء سے کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ سے یہ کہا تھا کہ " میں آپ کو اس سلسلے میں متہم کرنا نہیں چاہتا لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ لوگ نبی اکرم صلعم سے غلط سلط حدیثیں بیان کرنا نہ شروع کر دیں "

قبولِ حدیث کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ سے صرف " وراثت جدہ " والی ایک ایسی روایت ہے جس کی تصدیق میں انہوں نے شاہد طلب کیا ہے لیکن یہ روایت اس بات کی تصدیق نہیں کرتی کہ ان کا موقف ہی یہ تھا کہ جب تک راوی دو نہ ہوں حدیث قبول نہ کی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ کو کئی ایسے مواقع پیش آئے جب کہ ان کو سنتِ رسولؐ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ لیکن اس ایک روایت کے علاوہ یہ کہیں نہیں ملتا کہ انہوں نے کسی دوسرے راوی کو بطور ایک گواہ کے طلب کیا ہو۔ بلکہ امام رازی محصول میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے کوئی فیصلہ دیا تھا بعد میں حضرت بلالؓ نے ان سے کہا کہ اس بارے میں رسول اللہ صلعم نے ان کے خلاف فیصلہ فرمایا تھا۔ تو حضرت ابوبکر نے اپنے اس فیصلے سے رجوع کر لیا۔ یہ روایت ہمارے خیال کی تائید کرتی ہے۔ علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں قضاء کے متعلق حضرت ابوبکرؓ کے طریقے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " جب حضرت ابوبکرؓ کو کوئی فیصلہ دینا ہوتا تو وہ کتاب اللہ میں اس کو تلاش کرتے اگر اس میں نہ ملتا تو پھر سنت رسول اللہ میں تلاش کرتے۔

اگر اس میں بھی نہ ملتا تو پھر صحابہ کرام سے دریافت کرتے کہ کیا رسول اللہ نے اس بارے میں کبھی کوئی فیصلہ فرمایا ہے یا نہیں؟ اگر اس سے بھی پتہ نہ چلتا تو پھر ممتاز صحابہ کو اکٹھا کر کے ان سے مشورہ لیتے اور جب وہ لوگ کسی رائے پر متفق ہو جاتے تو فیصلہ کر دیا جاتا۔

حاصل یہ کہ ہمیں "وراثتِ جدّہ" کی روایت کے علاوہ اور کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس کی تصدیق میں حضرت ابوبکرؓ نے کسی اور راوی کو طلب کیا ہو۔ اس روایت میں یہ احتمال موجود ہے کہ انہوں نے تثبت اور تحقیق کے لیے ایسا کیا ہے کیوں کہ انہیں ایک ایسا فیصلہ صادر کرنا تھا اور ایک ایسا قانون بنانا تھا جس کے بارے میں قرآن خاموش ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھا سکتا کہ قبولِ حدیث میں یہ ان کا کوئی مستقل مسلک تھا۔ امام غزالی "المستصفیٰ" میں لکھتے ہیں کہ "مغیرہ کی اس حدیث کے متعلق حضرت ابوبکرؓ کے توقف کرنے کی وجہ ممکن ہے ہمیں معلوم نہ ہو سکی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وجہ حکم کی صورت میں اب بھی باقی ہے اور ہو سکتا ہے کہ باقی نہ ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مدعا یہ ہو کہ اگر کسی اور کے پاس اس حکم کے حق میں یا خلاف کوئی دلیل ہو تو وہ پیش کر دے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے ان کا مقصد روایت میں تساہل ... روکنا ہو۔ بہرحال ان میں سے کسی نہ کسی وجہ پر اس روایت کو محمول کرنا پڑے گا۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے منفرد صحابی کی روایت کو قبول کیا ہے۔ اور اس کے قائلین کا انکار نہیں کیا ہے۔

حضرت علیؓ کے بارے میں بھی یہ روایت کہ وہ راوی سے حلف لیا کرتے تھے مجھے عجیب معلوم ہوتی ہے۔ ان کے متعلق معلوم ہے کہ قبولِ حدیث کے معاملے میں اُن کا طرزِ عمل دیگر صحابہ کرام سے مختلف نہ تھا۔ امام رازی "المحصول" میں اُن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "انہوں نے مذی کے متعلق مقداد بن اسود کی روایت قبول کی ہے۔ (یعنی بغیر حلف کے)۔ اور ان سے یہ بھی وارد ہے کہ ایک روایت میں انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے حلف نہیں لیا بلکہ کہا کہ ... ابوبکر سچ کہتا ہے" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حلف لینا ان کا عام مسلک نہیں تھا۔

خلاصہ یہ کہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور علیؓ سے منفرد راوی کی روایت قبول کرنا صحیح ثابت ہے۔ اور وہ حالات اور اسباب جن کے تحت دوسرا راوی طلب کیا گیا ہے یا حلف لیا گیا ہے۔ یہ ثابت نہیں کرتے کہ ان حضرات کا دائمی مسلک اور مستقل طرزِ عمل یہ تھا۔ اس بحث و تحقیق سے یہ ثابت اور واضح ہو گیا کہ ان تین کبار صحابہ کا عمل ان صحابہ کرام کے موافق ہے جو صرف ایک راوی سے روایت قبول کر لیا کرتے تھے۔